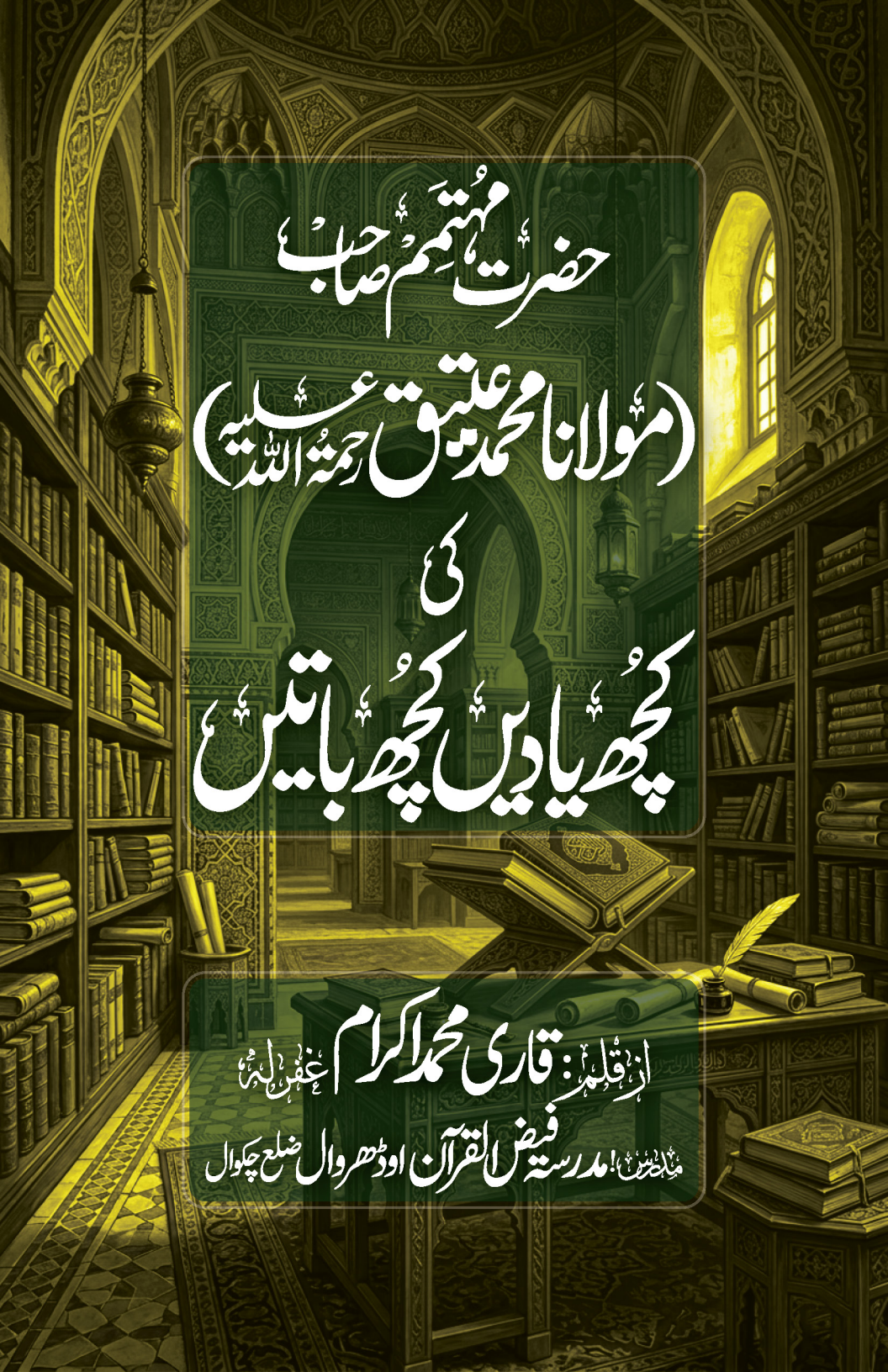

حضرت مہتمم صاحب

(مولانا محمد عتیق رحمۃ اللہ علیہ)

کی

کچھ یادیں کچھ باتیں

از قلم: قاری محمد اکرام غفرلہ

مدرس! مدرسہ فیض القرآن اوڈھروال ضلع چکوال

UMAR SHAHEED LIBRARY
MOHRA KOR CHISHAM

حضرت مہتمم صاحب

(مولانا محمد عتیق رحمۃ اللہ علیہ)

کی

کچھ یادیں کچھ باتیں

از قلم: قاری محمد اکرام غفرلہٗ

مدرس: مدرسہ فیض القرآن اوڈھروال ضلع چکوال

فہرست عنوانات

صدقہ جاریہ چھوڑنے والا شخص	5
دنیا ایک سٹیج ہے	5
ضلع چکوال کا مختصر تعارف	7
آپ کے اجداد	8
ابتدائی تعلیم، اور درس نظامی	9
ابتدائی عمر میں بنیادی تربیت	10
اسبابِ زوالِ امت اور اس کا حل	11
دارالعلوم تدریس القرآن کی بنیاد	12
دعوت وتبلیغ سے شغف	14
تبلیغی جماعت کی مروجہ ترتیب	15
دعوت وتبلیغ اعلیٰ درجے کی عبادت	15
علم اور خانقاہ سے تعلق اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کا مختصر تعارف	16
حضرت مہتمم صاحب کے مشائخ کا مختصر تعارف	18
نسبت سے مراد	20
اپنے نفس کی اصلاح واجب ہے	21
بیعت کی حقیقت، اہمیت	22
ختم قرآن کے موقع پر بیان اس کا خلاصہ	25
عقل مند کون ہے؟	26
رمضان المبارک کے معمولات	28
ہماری ذمہ داری کیا ہے؟	31
علما کی مشکلات کو سمجھنا اور حل کرنا بھی ایک شرعی فریضہ ہے	32
امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا	34

UMAR SHAHEED LIBRARY
MOHRA KOR CHISHAM

حضرت مہتمم صاحب (مولانا محمد عتیق رحمہ اللہ تعالیٰ)

کی کچھ یادیں کچھ باتیں

بخدمت عزیز القدر محترم محمد ابتہاج عمر شاہ صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے، سب سے پہلے تو حضرت کے سانحہ ارتحال پر گہرے دکھ اور افسوس کے ساتھ عرض گزار ہوں کہ ہم شیخ الحدیث حضرت مہتمم صاحب سے محروم ہو گئے۔ حضرت مہتمم صاحب کے انتقال کو دو ماہ سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے لیکن ان کی موت کا یقین نہیں آتا، اب چونکہ وہ اللہ کے پاس جا چکے ہیں اس لئے اذْكُرُوا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ وَكُفُّوا عَنْ مَسَاوِيهِمْ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم اپنے مُردوں کی اچھائیوں کو ذکر کیا کرو اور ان کی برائیاں بیان کرنے سے باز رہو" اللہ تعالیٰ انہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا کرے، آمین۔ آپ کی جانب سے وٹسپ پر میسیج موصول ہوا تھا، دوسرا حضرت استاذی المکرم مولانا شفیق صاحب اور مولانا محمد کامران صاحب کی طرف سے حکم دیا ہے کہ حضرت مہتمم صاحب کے متعلق کچھ لکھوں، ناچیز اس قابل تو نہیں کہ حضرت والاؒ کی شخصیت پر کچھ لکھ سکے اَلْأَمْرُ فَوْقَ الْأَدَبِ کے تحت اور دوسرا احادیث پاک کے حکم کو سامنے رکھ کر حضرت استاذ جی کی کچھ بھولی بسری یادوں کو تازہ کرنے کی

کوشش کرتا ہوں، آج پھر قحط رجال والی حدیث مبارکہ ﷺ اپنے مصداق پر عملی طور پر ظاہر ہے، علم کے اٹھنے سے یقیناً اہل علم کا ہی اٹھنا مراد ہے، وقت کا بدلتا تیور اپنے احساسات کے ساتھ ہمیں یہ باور کرانے کی بھرپور کوشش کرتا رہتا ہے کہ خواب مدہوش میں رہنے والو میں نے تم سے ایک اور عالم دین چھین لیا ہے اور تمہارا روشن چراغ پھر سے گل کر دیا ہے، وہ علم کا چراغ جو کہ "اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ" کی کھلی نشانی تھی، جو نہ صرف ایک عالم دین تھے بلکہ قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور قال رسول ﷺ کا درس دیتے وقت اپنی بلند فکر کے دریچوں میں امید کا سہارہ بن کر دین کی کرنوں کی آبیاری کے لئے فروغ علم میں ترویج و اشاعت کا حصہ دار بنتے رہے اور یہی کہتے رہے کہ حقیقی علم جو رہتی دنیا کے انسانوں کے لئے ایسا پیغام ہے جس میں فلاح ہی فلاح پوشیدہ ہے، وہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد ﷺ کے دیے ہوئے علم میں پوشیدہ ہے۔ یہ امر یقینی ہے کہ اہل علم کی وفات کوئی عام فرد کی طرح نہیں بلکہ علماء تو معاشرے کا نور ہیں، دین کے حاملین ہیں، انہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت اور اس کی نشر واشاعت کرتا ہے۔ وہی لوگوں کو فتنوں سے محفوظ رکھتے ہیں اور ان فتنوں اور شبہات کی سرکوبی کرتے ہیں۔ اہل علم سے استغناء ایک لمحے کیلئے بھی ممکن نہیں ہے، عالم دین کی وفات کے باعث کتنے لوگ ہیں جو خیر سیکھنے سے محروم ہو جاتے ہیں، کتنے ہیں جو دعاؤں سے محروم ہو جاتے ہیں اور کتنے ہیں جو فتنوں کے دور میں صحیح رہنمائی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ عالم دین کی موت محرومیاں ہی محرومیاں چھوڑ جاتی ہے، اس علمی چراغ کے گل ہو جانے سے یہ احساس تو پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ عالم دین اب ہم میں نہیں مگر اس کے جلائے ہوئے دیئے، یعنی دارالعلوم تدریس القرآن، دارالعلوم زکریا، دارالقرآن، مدرسہ فیض القرآن اوڈھروال، مدرسہ فیض القرآن سکریالہ، جامعہ مسجد فاروقیہ وغیرہم موجود استاد الحدیث مولانا محمد عتیق صاحب رحمہ اللہ کے صدقہ جاریہ بنے ہوئے ہیں۔

صدقہ جاریہ چھوڑنے والا شخص

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی کا مفہوم ہے،

ابن آدم جب دنیا سے چلا جاتا ہے تو اس کا عمل بھی منقطع ہو جاتا ہے مگر تین شخصوں کے اعمال کا ثواب جاری رہتا ہے۔

(1) صدقہ جاریہ چھوڑنے والا شخص۔

(2) ایسا شخص جو پچھلوں کے لیے نفع بخش علم چھوڑ جائے جس سے وہ استفادہ کریں۔

(3) ایسا شخص جو نیک اولاد چھوڑ جائے جو اس کے لیے دعا کرتی رہے۔

یہ اللہ تعالیٰ ہی کی دین ہے کس کی جھولی کس قدر سعادتوں سے بھر دے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تانہ بخشد خدائے بخشندہ

دنیا ایک سٹیج ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دنیا ایک سٹیج ہے، جہاں ہر فرد اپنی اپنی خداداد صلاحیت اور قابلیت کے جوہر دکھاتا ہے، بے شمار لوگ اپنا وقتی اور معمولی نوعیت کا کردار دکھا کر ذہنوں سے جلد محو ہو جاتے ہیں اور کچھ افراد اپنے غیر معمولی کردار کے انمٹ نقوش چھوڑ کر امر ہو جاتے ہیں، اس مادر گیتی پر ایسے بھی کچھ خوش بخت لوگ بستے ہیں جو اپنی قابل رشک کارکردگی کی بدولت گمنامی کی زندگی سے شہرت کی رفعتوں کو چھوتے ہیں، وہ اپنی ہر دلعزیز شخصیت کی وجہ سے نظروں کو بھاتے ،دلوں میں سماتے اور ذہنوں پر چھا جاتے ہیں، ان کی دل نشیں یادوں سے تصورات کی حسین دنیا درخشاں، آباد اور شاد رہتی ہے، وہ خود تو اس جہان بے ثبات سے کوچ کر جاتے ہیں مگر زمانہ انہیں صدیوں یاد رکھتا ہے، وہ اپنے عظیم کردار و نظریات کی صالح باقیات اور ایسی روشن یادگاریں چھوڑ جاتے ہیں، دنیا جن سے رہنمائی پاتی اور سدا ان کا تذکرۂ خیر کرتی رہتی ہے، قدرت کے اٹل قانون کے مطابق روح کے بدن میں رہنے کا وقت طے شدہ ہے اور اس مادی وجود سے روح کے پرواز

کرنے کا نام "موت" ہے۔موت ہمیں اپنی حیثیت یاد دلاتی رہتی ہے کہ ہم اس دنیا میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے نہیں آئے بلکہ مسافر ہیں۔ ہر روز ڈیڑھ لاکھ کے لگ بھگ انسان لقمہ اجل بنتے ہیں۔کسی عزیز کی موت کا رنج وغم ایک فطری عمل ہے البتہ اس صدمے کو صبر و استقامت اور حوصلے سے برداشت کرنا ہی بندہ مومن کے شایان شان ہے،موت ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جس سے کسی دور میں انکار نہیں کیا گیا اور یہ ہستیٔ باری تعالیٰ کے ثبوت کا ایک اہم ذریعہ بھی ہے،بڑے بڑے گردن فراز بھی اس حقیقت ثابتہ کے سامنے سرنگوں ہو جاتے ہیں۔وَّ یَبۡقٰی وَجۡهُ رَبِّكَ ذُو الۡجَلٰلِ وَ الۡاِكۡرَامِ ایک توانا سچائی ہے۔ یہ آیت زندگی کی سب سے بڑی حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ اس کائنات میں انسان،حیوان،مال و دولت،اقتدار اور ہر جاندار کو ایک نہ ایک دن موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور یہ دنیا عارضی ہے۔ ہر چیز نے مٹ جانا ہے،اور ہمیشہ زندہ رہنے والی،باقی رہنے والی اور سدا قائم رہنے والی ذات صرف اللہ رب العزت کی ہے،اور ضابطہ خداوندی کے تحت ہر انسان اس عارضی اور فانی دنیا کو چھوڑتا ہے،عام انسان کی موت اور ایک عالم دین کی موت میں فرق ہے،عام آدمی کی موت سے اس کے اعزا و اقارب،علاقہ اور گاؤں والے متاثر ہوتے ہیں،جب کہ ایک عالم دین کی موت کو مَوْتُ الْعَالِمِ مَوتُ الْعَالَمِ فرمایا گیا،کہ عالم دین کی موت سارے جہان کی موت ہے۔مگر حق یہ ہے کہ بعض اشخاص بظاہر موجود نہ ہونے اور نظروں سے اوجھل ہو جانے کے باوجود دلوں سے دور نہیں ہوتے،ایسے لوگ مر کر بھی زندہ ہوتے بلکہ زندہ تر ہو جاتے ہیں۔

مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں
یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عتیق صاحب نور اللہ مرقدہ جواب اس جہان میں نہیں ہیں مگر ان کا نام دنیا میں سدا جگمگا تا رہے گا،حضرت موصوف جیسے محبت و شفقت کے پیکر،علم و فکر کے منبع،مشفق و مہربان مربی سے محرومی بلاشبہ ایک ناقابل تلافی صدمہ ہے،مگر خدا تعالیٰ کی مرضی کے سامنے سر جھکانا ہی پڑتا ہے کہ موت سے کوئی مفر ہے نہ مشیت ایزدی میں کسی کو دم مارنے کی اجازت،یہ حسین و رنگین اور حزین و غمگین دنیا اپنے انجام کے اعتبار سے فانی ہے،جو بھی اس جہانِ بے ثبات میں آیا اسے جلد

یا بدیر یہاں سے رخصت ہونا ہی ہے، چل چلاؤ کا یہ سلسلہ ابتدائے آفرینش سے جاری ہے، ہر ذی روح کو اپنے وقت اور رزق کی تکمیل پہ موت کی مشکل ترین گھاٹی سے گزر کر ایک ایسے جہاں کی طرف منتقل ہونا ہے، جس سے رابطہ منقطع اور جس کا ادراک محال ہے، صدیوں سے یہ دلخراش دستو چلا آ رہا ہے کہ جان سی پیاری ہستیوں کو کرب و اضطراب سے لرزتے ہاتھوں کے ساتھ مٹی کے ڈھیر تلے دفن کرنا پڑتا ہے، پھر جانے والوں کو آنکھیں ترستی اور نگاہیں ڈھونڈتی ہیں، دل ان کی یاد میں بے قرار رہتا ہے، مگر بے سود کہ اس جہاں سے پلٹ کر بھی کبھی آیا کوئی؟ حضرت مہتمم کا حادثۂ ارتحال ایک عظیم اور غیر معمولی سانحہ ہے کیونکہ جن لوگوں کی زندگی غیر معمولی ہوتی ہے ان کی موت بھی اپنے ہمہ جہت اثرات کی وجہ سے غیر معمولی ہوا کرتی ہے، حضرت مہتمم صاحب صرف ایک عالم ہی نہیں بلکہ ادارہ ساز اور عالم ساز شخصیت تھے، آپ کی ساری زندگی فروغ علم اور خدمت دین کے لیے مصروف عمل رہی، یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے درخشاں کردار کی بدولت تاریخ کے ماتھے کا جھومر بن جاتے ہیں، ایسی ہی قابل قدر شخصیات میں سے ایک عظیم شخصیت شیخ الحدیث مولانا محمد عتیق صاحب تھے ان کا وطن ضلع چکوال کے مغرب میں تین میل کے فاصلے پر ایک گاؤں اوڈھروال ہے۔

ضلع چکوال کا مختصر تعارف

ضلع چکوال، پنجاب کا 19 واں ضلع ہے۔ جولائی 1985ء کو چکوال کو ضلع کا درجہ دیا گیا اس ضلع کا کل رقبہ چھ ہزار چھ سو مربع کلو میٹر اور آبادی 1981ء کی مردم شماری کے مطابق 8 لاکھ 60 ہزار سے زائد ہے۔ 1985ء سے پہلے اس علاقے کا کچھ حصہ ضلع جہلم کی تحصیل پنڈ دادن خان کا تھانہ، چواسیدن شاہ معہ علاقہ ونہار اور ضلع اٹک کی تحصیل تلہ گنگ کو تحصیل چکوال کے ساتھ ملا کر ضلع چکوال کی تشکیل کی گئی اور چکوال شہر کو صدر مقام قرار دیا گیا جس کے بعد یہاں پر ترقی کا ایک نیا دور شروع ہوا اور بڑی سرعت کے ساتھ اسے فوجی اور عسکری لحاظ سے اہم خطے نے اپنی اہمیت منوانی شروع کر دی۔'' اگر چکوال کے حدود اربعہ پر نگاہ ڈالی جائے تو کچھ یوں ہے شمال میں ضلع اٹک، جنوب میں ضلع خوشاب، مشرق میں جہلم اور راولپنڈی جبکہ مغرب میں ضلع میانوالی واقعہ ہے۔

آپ کے اجداد

آپ کے اجداد میں سے ایک بزرگ حافظ محمد لطیف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ گیارہویں صدی ہجری میں موضع جھامرہ سے یہاں آئے اور درسِ قرآن کی خدمت پر مامور ہوئے، یہ درس ان کے استاذ باوا عبد الشکور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شروع کیا تھا، یہاں قرآن کریم تجوید کے ساتھ حفظ کرایا جاتا تھا حافظ محمد لطیف کی پانچویں پشت میں آپ کے والد حافظ محمد رفیق صاحب کے پڑنانا حافظ بُرہان الدین صاحب رحمہ اللہ جب اس درس کے معلم بنے تو انہوں نے یہ درس تدریس کا سلسلہ ساٹھ 60 برس تک جاری رکھا، آگے ان کے دو بیٹے تھے، حافظ صابر لدین اور حافظ احمد الدین جو آپ کے والد کے نانا تھے، حضرت مہتمم صاحب کے والد حافظ محمد رفیق صاحب کے تین بھائی اور تھے حافظ عبد الحلیم، حافظ عبد الرشید، حافظ محمد نذیر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اور آخر لذکر حافظ محمد نذیر صاحب تو میری موجودگی میں جامعہ مسجد فاروقیہ کے جب تک صحت رہی فی سبیل اللہ امامت کے فرائض انجام دیتے رہے، ان کی اولاد میں قاضی نصیر احمد جو کہ عارضہ قلب میں مبتلا ہیں فشفاہ اللہ شفاء کاملہ اور چار بیٹیاں ہیں اور یہ معلومات قاضی نصیر احمد صاحب سے موصول ہوئی، اور حافظ محمد رفیق صاحب کی اولاد میں میرے استاذ مولانا محمد شفیق صاحب دامت برکاتہم العالیہ اور حضرت مہتمم صاحب یعنی مولانا محمد عتیق صاحب رحمہ اللہ تھے، اور ان کی تین بہنیں جو بچپن میں ہی وفات پا گئی تھیں، بہر حال باوا عبد الشکور صاحب کا یہ درس دور دور تک مشہور ہوا، سینکڑوں آدمی یہاں سے قرآن کریم حفظ کر کر کے گئے انتالیسویں پشت میں حضرت مہتمم صاحب کا سلسلہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔

چکوال کے قریب موضع کھوکھر زیر سے معززین کا ایک وفد حضرت مہتمم صاحب کے والد حافظ محمد رفیق صاحب کے پڑنانا حافظ برہان الدین صاحب کے پاس آیا کہ اس درس کی ایک شاخ ہمارے گاؤں میں کھولی جائے، آپ نے حافظ احمد الدین صاحب کو کھوکھر زیر بھیجا کہ وہاں جا کر درس قرآن کریم شروع کریں، وہاں جا کر آپ نے درس شروع کیا، بڑے بزرگ بتاتے تھے کہ آپ کے پڑنانا جان کے پاس جن بھی پڑھتے تھے جو انسانوں کی شکل میں ہوتے کسی کو معلوم نہ تھا، اتفاقاً ایک

ایسا واقعہ پیش آیا جا انسان کے لئے ناممکن تھا آپ کے پڑ نانا جان نے اس طالب علم سے پوچھا سچ بتا تو کون ہے؟ اس نے بتا میں جن ہوں اور ہمارے علاقے کے کئی جن آپ سے قرآن کریم حفظ کر کے گئے ہیں، آپ کے پڑ نانا جان 1918 میں فوت ہوئے ان کے حافظ محمد معصوم نے درس کا سلسلہ جاری رکھا، حافظ محمد معصوم کے بعد ان کے بھائی حافظ محمد لطیف نے درس کا سلسلہ جاری رکھا۔

آپ کے پڑ نانا جان حافظ قرآن ہونے کے علاوہ مستند عالم بھی تھے انہوں نے دہلی میں مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دورہ حدیث کیا تھا پھر طب کی تعلیم بھی حاصل کی چوٹی کے نباض تھے، آپ نے کھوکھر زیر درس قرآن کریم کے ساتھ ساتھ طلبہ کو تفسیر، حدیث اور فقہ کے علوم پڑھانے کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا چار برس تک تعلیم دیتے رہے، 1929 میں ان کی وفات ہوئی۔

ابتدائی تعلیم، اور درس نظامی

حصول علم کی جانب رواں دواں یہ سفر کئی مراحل میں طے پاتا ہے، قران کریم کی ناظرہ تعلیم وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے مدرسہ جامعہ عربیہ اظہار الاسلام مدنی جامع مسجد چکوال کے صدر مدرس بزرگ استاد حافظ اللہ یار خان صاحب سے حاصل کی، اس کے بعد درس نظامی کیلئے جامعہ عربیہ دارالھدی چوکیرہ 79 جنوبی سرگودھا سے علمی پیاس بجھاتے رہے، آج کی طرح مستقل مدارس کا وسیع جال تو اس وقت تھا نہیں، اور طلباء خوردونوش کے حوالے سے مانگ تانگ کر کام چلاتے تھے، مدارس میں قیام وطعام کی سہولیات آج کی طرح میسر نہ تھیں، آخر کار حصول علم کا شوق رنگ لاتا ہے، راہ نوردی اور راہ پیمائی منزل مقصود سے ہمکنار ہونے پہ آتی ہے، مختلف اساتذہ کرام سے علمی استفادے کی یہ کڑی ان عظیم المرتبت شیوخ سے جا ملتی ہے، جن کے علم اور تقویٰ، دیانت اور للّٰہیت سے قرونِ اولیٰ کی یاد تازہ ہوتی ہے، موقوف علیہ کے بعد بقیہ تعلیم کے لئے جامعہ اشرفیہ لاہور تشریف لے گئے، درسِ نظامی (مروجہ اسلامی تعلیم) کے ساتویں سال (7th Year) کی کلاس یا نصاب کو عرفِ عام میں "موقوف علیہ" کہا جاتا ہے۔ اس درجے کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں تفسیر، حدیث اور اصولِ حدیث کی ابتدائی اور اہم ترین کتب شامل ہوتی ہیں۔

جامعہ اشرفیہ ملک کے ان دینی مراکز میں شامل ہے جس کی سارے عالم میں صدائے بازگشت ہے اس کے بانی حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ ہیں۔جنہوں نے قیام پاکستان کے ایک ماہ بعد لاہور میں اس کا سنگ بنیاد 14 ستمبر 1947ء میں رکھا۔ پوری دنیا اور حرمین شریفین تک جامعہ اشرفیہ لاہور کے فیض سے علماء کرام دین کی خدمت اور درس و تدریس کی سعادت حاصل کر رہے ہیں،حضرت کے اساتذہ میں سرفہرست محدثِ اعظم،مفسرِ کبیر حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی،شیخ الحدیث مولانا صوفی سرور صاحب رحمۃ اللہ علیہما تھے۔جامعہ اشرفیہ سے آپ نے دورہ حدیث کیا،دورہ حدیث مدارسِ دینیہ (درسِ نظامی) کا سب سے آخری اور اعلیٰ تعلیمی درجہ (سال) ہے،جس میں احادیثِ مبارکہ کی چھ مستند ترین کتابوں (صحاحِ ستہ) کا مکمل احاطہ کیا جاتا ہے۔یعنی اس سال میں بنیادی طور پر'صحاحِ ستہ (چھ صحیح کتابیں) پڑھائی جاتی ہیں،جن میں بخاری،مسلم،ترمذی،ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ شامل ہیں اس دورے کی تکمیل کے بعد طالب علم کو سندِ فراغت (عالمیہ/شہادۃ العالمیہ) دی جاتی ہے،جو دنیا بھر کی جامعات میں ایم اے (اسلامیات یا عربی) کے مساوی تسلیم کی جاتی ہے۔

ابتدائی عمر میں بنیادی تربیت

راقم الحروف کو حضرت مہتمم صاحب 1992 میں اپنے آبائی گاؤں اور محلے کی جامعہ مسجد فاروقیہ میں بطور مدرس لے کر آئے،مجھے فرماتے کہ بچوں کو قرآن پڑھانا ایک عظیم ذمہ داری سب سے بڑی سعادت ہے۔: بچوں کو 6 سے 7 سال کی عمر میں دعائیں،قرآن کے مختصر الفاظ،اور اللہ کے بارے میں بنیادی باتیں سکھانا شروع کر دیں۔اس عمر میں بچوں کا دماغ ہر نئی چیز کو تیزی سے قبول کرتا ہے۔بچوں کو زبردستی یا دباؤ کے ذریعے نہیں بلکہ محبت،اور حکمت کے ساتھ قرآن پڑھائیں،اور فرماتے بچے کا دماغ ابتدائی عمر میں بہت تیز ہوتا ہے،اور قرآن کی تعلیم اس کی سوچ،اخلاق اور کردار کی تعمیر میں مثبت کردار ادا کرتی ہے۔چھوٹی عمر میں دی گئی تعلیم بچے کے دل میں اللہ کی محبت اور قرآن سے وابستگی پیدا کرتی ہے۔بچوں کے والدین سے فرماتے بچوں کو

قرآن کی تعلیم دینا نہ صرف ایک ذمہ داری ہے بلکہ یہ ایک ایسی سرمایہ کاری ہے جس کا صلہ دنیا اور آخرت میں ملتا ہے۔ اس عظیم مشن میں پہلا قدم اٹھانا آپ والدین کا کام ہے۔ یاد رکھیں، جو وقت آپ آج اپنے بچے کو قرآن سکھانے میں لگائیں گے، وہ کل آپ کے لیے صدقہ جاریہ بنے گا۔

اسبابِ زوالِ امت اور اس کا حل

مجھے حضرت شیخ الہند کا یہ ارشاد کئی بار سنایا کہ حضرت شیخ الہند نے فرمایا "میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک اِن کا قرآن کو چھوڑ دینا، دوسرے اِن کے آپس کے اختلاف اور خانہ جنگی، اِس لئے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اِس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے، بچوں کے لئے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی میں قائم کئے جائیں، بڑوں کو عوامی درس کی صورت میں اِس کے معنی سے روشناس کرایا جائے۔ قرآنی تعلیمات پر عمل کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔ الغرض! اپنے جیب سے مشاہرہ دیتے، یہ اور بات تھی کہ حالات کی تنگی کی وجہ سے مشاہرہ پانچ ماہ چھ ماہ بعد ملتا تھا، ملتا ضرور تھا، کھانا آپ کے گھر سے آتا، حضرت کا اس وقت چھوٹا سا مکتبہ تھا، مکتبہ فیضان مدینہ جس کو محلے کے بزرگ محمد یوسف صاحب دیکھتے خود پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہتے، دارالعلوم تدریس القرآن کی بنیاد رکھنے کے بعد وہ مکتبہ بھی اپنے ماموں محمد ظریف صاحب رحمہ اللہ کے حوالے کر دیا تھا، اور راقم کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ حضرت کے ہاں پہلا مدرس ہونے کی سعادت اس بندہ ناچیز کو حاصل ہے، دارالعلوم تدریس القرآن بعد میں معرض وجود میں آیا، اور ایک عظیم الشان دینی مرکز میں تبدیلی کی وقیع خدمت تکوینی طور پر ان کے مقدر میں تھی، پھر اس کے بعد دارالعلوم زکریا کے نام سے ایک قابل قدر عظیم دینی ادارہ معرض وجود میں آ گیا، کہنے کا مقصود یہ ہے کہ آپ نے زندگی کو قوم کی ایک امانت سمجھ کر گزارا، احساس ذمہ داری اور دیانت داری کو سدا شعار بنائے رکھا، منصب کی آڑ میں دنیا بنانے کا کبھی خیال تک انہیں پیدا نہ ہوا، بیک

وقت اہتمام، تدریس اور جامع مسجد فاروقیہ کی خطابت جیسی اہم ذمہ داریاں نبھانے کا شیوہ رہا، حرص وہوس سے سدا اپنے دامن کو بچائے رکھا اگر کچھ پس انداز ہوتا تو وہ فیاضی اور مہمان نوازی کی نذر کر دیتے، زندگی اس حالت میں بسر کر دی کہ اپنی ذاتی رہائش تک کا یارانہ نہ ہو سکا، طبیعت میں پاکیزگی، نفاست اور مزاج میں شاہانہ نزاکت کے باوجود لباس و رہائش اور شرب وطعام میں سادگی اور کفایت شعاری کا عنصر غالب رہا، آپ سے ملاقات کے وقت ہر چھوٹے بڑے کو توجہ محبت اور اپنائیت کا وہ پہلو ملتا کہ ہر ملاقاتی فرحت، دل بستگی اور الفت کی عجیب کیفیات اور جذبات اپنے دل میں محسوس کرتا، حضرت مہتمم صاحب شہرت طلبی اور نام ونمود کی خواہشات سے مستغنی فروتنی، تواضع اور اخلاص وللّٰہیت کے پیکر تھے، آپ معاملہ فہمی اور دور اندیشی کے اوصاف سے متصف ایک ہنس مکھ انسان تھے، غصے کے وقت ان کے چہرے پر جلال کی ایک کیفیت طاری ہو جاتی تھی کوئی بات سمجھانے کے باوجود کسی کی سمجھ میں نہ آتی اس شخص کا آپریشن بھی ایسا کرتے کہ اپنے پرائیوں کے ہوش ٹھکانے آجاتے، اور جس کا آپریشن ہوتا اس کی طبیعت بالکل صاف ہو جاتی۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نہایت ملنسار، خوش خلق، فراخ دل، صاف گو اور صاف دل انسان تھے۔ آپ طلبہ کے ساتھ انتہائی شفقت کا معاملہ فرماتے، طلبہ بھی ان سے بے انتہا محبت کرتے تھے، انکے مزاج کے سبب طلبہ لطف اور خوشی محسوس کرتے تھے۔ خوش مزاجی، سادگی اور حلم گویا ان کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی، ان کی گفتگو سامع کے لحاظ سے مختلف ہوتی تھی، وہ حق بات ڈنکے کی چوٹ پر بیان کرتے تھے، کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔

دارالعلوم تدریس القرآن کی بنیاد

اوڈھروال کی ایک خاتون غلام فاطمہ جو محمد یوسف صاحب، محمد سہیل صاحب، شاہد محمود صاحب، کی پھوپھی تھی انہوں نے النور ٹاؤن میں مسجد کے لئے جگہ دی، جس کا ذریعہ حاجی فضل الرحمان شیخ صاحب بنیں، دوست احباب کے مشورہ پر مدرسہ تدریس القرآن کی بنیاد رکھی گئی، حضرت کی نیت یہ تھی کہ اپنے انداز کا دینی مدرسہ قائم کیا جائے جس میں تعلیم وتربیت کا خاص نظام قائم کیا جائے جو نسل

جدید کے لئے مفید ہو،لیکن اس عظیم الشان مہم کے لئے اولاً اونچے درجے کی اخلاص کی حاجت تھی جو حضرت میں پہلے سے موجود تھا،ثانیاً ہمت بلند کی ضرورت تھی اور جُہد مسلسل اور صبر واستقامت درکار تھی،ثالثاً رفقاء کے روحانی ومادی تعاون کی احتیاج تھی جو ان کو میسر نہیں تھی ان کے بغیر کسی کام کی ابتدا خوابوں کی دنیا بسانے اور ٹھنڈے لوہے پر چوٹ لگانے کی مترادف تھی،غرضیکہ مادی وسائل کی قلت کے باوجود دارالعلوم کی بنیاد رکھ دی گئی،یوں کام کی ابتدا محض اللہ جل شانہ کے توکل اور بھروسہ پر ہوئی اور اس دینی علمی کام میں خدا تعالیٰ کے بھروسہ اور اعتماد پر کام شروع کر کے اللہ کے متوکل بندوں میں شامل ہو گئے،اس وقت حضرت مولانا قاری حفیظ الرحمٰن صاحب کے والد بزرگوار حافظ حبیب الرحمان صاحب اور راقم الحروف وہاں کھلے میدان میں مٹیریل وغیرہ کا چوکیدارہ ہم دونوں کے ذمہ تھا،تدریسی فرائض انجام دینے کے بعد کہ حضرت مہتمم صاحب کے گھر سے کھانا لے جانا اور حضرت حافظ صاحب کا سبق سبقی،منزل سننے کی سعادت حاصل کرنے کی سعادت حاصل رہی،یہ تھی ابتدا کار،اس راستہ میں جو مصائب وآلام،تکالیف اور مشقتیں حضرت کو اٹھانا پڑیں اور افکار کے جن ہجوم سے گذرنا پڑا ان کا تذکرہ بے معنی ہے۔تہ خانے کا چھت ڈالنے کے بعد باقاعدہ حفظ کی کلاس کا آغاز کر دیا گیا،حفظ کی کلاس کے سب سے پہلے مدرس حضرت مولانا قاری حفیظ الرحمان دامت برکاتہم بنے،انہوں نے تدریس کے ساتھ ساتھ حضرت مہتمم صاحب کا بھرپور ساتھ دیا،پھر اس سے اگلے سال شعبہ تجوید کا آغاز ہوا،پھر تدریجاً درس نظامی کا شعبہ کا آغاز ہوا،خلاصہ کلام یہ ہے کہ دارالعلوم کا سنگِ بنیاد 24 جون 1994 بمطابق 12 محرم الحرام 1415ھ رکھا گیا یوم تاسیس سے اب تک مختلف شعبہ جات میں اپنی خدمات سرانجام دے رہا ہے،جامعہ اور اس کی شاخوں میں زیر تعلیم طلباء میں سے اب تخصص فی الفقہ سے 6،درس نظامی سے 75،تجوید سے 113،شعبہ گردان سے 369،شعبہ حفظ سے 429،شعبہ دراسات دینیہ سے 40،شعبہ مڈل میٹرک سے 210 کل 1236 طلباء تعلیم حاصل کر چکے ہیں،اور مختلف مقامات دینی خدمت سرانجام دے رہے ہیں الحمدللہ علیٰ ذالک،جامعہ کے تحت شعبہ مکاتب قرآنیہ میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبا کی تعداد 4000 ہے،جامعہ میں موجود طلبائے کرام کی تعداد تقریباً 300 ہے۔

جہد مسلسل حضرت مہتمم صاحب کی ایک صفت جس کو اس کوتاہ ہمت نے سب سے زیادہ محسوس کیا وہ اُن کی انتھک محنت اور مسلسل کام کرنے کی صلاحیت ہے۔عارضہ قلب کے باوجود دین کی دعوت کی غرض سے یا دارالعلوم کے کسی تقاضا سے کبھی مولانا محمد کامران صاحب کے ساتھ، کبھی قاری حبیب الرحمان کے ساتھ، کبھی صوفی محمد ابوبکر کے ساتھ عازم سفر ہوئے،ان کی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ وہ چوبیس گھنٹوں میں تھوڑے سے آرام کے علاوہ کوئی وقت کسی بامقصد کام کے بغیر گزارنے کے قائل ہی نہیں تھے۔ان کی تدریس کی طرح دعوت وتبلیغ کے گشت کا سلسلہ بھی سارے سال جاری رہتا تھا، ان کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ باری تعالیٰ نے اُن کو قوت عمل اور توفیق عمل عطا فرمانے میں خصوصی رحمت سے کام لیا ہے۔ جہاں تک ہمت وحوصلہ کی بات ہے تو اس باب میں ان کی نظیریں کم ملیں گی۔مشکل سے مشکل حالات اور بڑے سے بڑا صدمہ پیش آنے پر بھی اُن کی ہمت اور صبر دیکھنے کی چیز ہوتی۔یہی حوصلہ بیماری اور تکلیف میں سامنے آتا تھا،آخر کے چند سال عارضہ قلب کی تکالیف میں گزرے؛لیکن اُن سے بات کرکے یا اُن کے کام دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی خاص بات ہی نہ ہو۔اسی ہمت وحوصلہ کی وجہ سے بسا اوقات بیماری اور علاج پر ضروری توجہ نہ ہونے کی صورت بھی پیش آتی تھی۔ایسے بعض مواقع پر،جب اصاغر کا توجہ دلانا کافی نہ ہوا تو اہل تعلق کے ذریعہ متوجہ کرایا جاتا۔بہرکیف!ادارے کیلئے جگہ وقف کردینے والی خاتون اور حضرت ممدوح کا علمی فیضان ان کے عظیم ادارے ”ہزاروں تلامذہ کی صورت میں بحمداللہ تادیر جاری رہے گا انشاءاللہ!وہ عظیم ہستی جس نے عمر بھر استباق الخیر کرکے اپنی زندگی کو سراپا خیر بنائے رکھا اور ابلاغ و تبلیغ خیر کے لیے اپنی زندگی کو مکمل طور پر وقف کردیا۔

دعوت وتبلیغ سے شغف

حضرت مہتمم صاحب کو دعوت وتبلیغ سے شغف دین اسلام کی بنیادی تعلیمات، خاص طور پر فکرِ آخرت اور اصلاحِ نفس کی بنیاد پر تھا،جس کا مقصد لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا اور ان میں دین کی حقیقی روح بیدار کرنا تھا۔اس کے لئے آپ اہل محلہ اور گاؤں کے لوگوں کو ہر ماہ سہ روزہ کیلئے نکالتے اور خود

بھی بڑے اہتمام کے ساتھ سہ روہ کیلئے ساتھ جاتے ،اور نوجوانوں کو چلہ چارہ ماہ کیلئے تبلیغ میں بھیجتے حضرت کا اپنا بھی سال لگا ہوا تھا،اور بیرون سفر بھی کیا ہوا تھا،دارالعلوم کے اساتذہ کرام اور طلبائے کرام کو رمضان کی چھٹیوں میں چلہ کیلئے بھیجتے۔

تبلیغی جماعت کی مروجہ ترتیب

واضح رہے کہ تبلیغی جماعت میں سہ روزہ،عشرہ،چلہ اور چار ماہ کی ترتیب دین سیکھنے،سکھانے اور اللہ کی راہ میں وقت فارغ کرنے کی ایک انتظامی ترتیب ہے،نہ کہ کوئی شرعی فرض یا واجب۔ان اوقات کا بنیادی مقصد مسلمانوں میں دینی ماحول،اصلاح نفس اور دعوت وتبلیغ کا ذوق پیدا کرنا ہے۔یہ وضاحت اس لئے کرنی پڑی کہ بعض لوگ تبلیغی جماعت کی مروجہ ترتیب کو تیجے،چالیسویں، برسی وغیرہ کی غیر شرعی رسومات پر قیاس کرکے بدعت قرار دیتے ہیں جو کہ یہ درست نہیں ہے؛ کیوں کہ اول تو تبلیغ اور دعوت کا کام،اور اس کے لیے مسلمانوں کا انفرادی واجتماعی طور پر نکلنا،قرونِ اولیٰ سے ثابت ہے،دوم یہ کہ تبلیغی جماعت میں کسی دن کی ایسی تعیین نہیں ہے کہ اس دن کو جماعت میں نکلنا لازمی وضروری سمجھا جاتا ہو،بلکہ ہر شخص کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی سہولت کے مطابق جب اور جتنا وقت جماعت میں لگانا چاہے لگالے،سوم یہ کہ اصلاحِ نفس ومعاشرے کے لیے جماعت کی تشکیل کردہ ترتیب کو لازمی قرار نہیں دیا جاتا،بلکہ جماعت کے بزرگوں کی طرف سے برملا یہ کہا جاتا ہے کہ اگرچہ دین کی محنت اور اصلاحِ نفس ومعاشرہ کے لیے تبلیغی جماعت ایک انتہائی مفید اور آسان ترین راستہ ہے،لیکن اس کے باوجود مذکورہ مقاصد کا حصول صرف تبلیغی جماعت میں منحصر نہیں ہے،اسی طرح مروجہ تیجہ،چالیسواں وغیرہ جیسی رسومات میں جو مفاسد پائے جاتے ہیں،ان میں سے کوئی ایک مفسدہ بھی تبلیغی جماعت میں نہیں پایا جاتا۔

دعوت وتبلیغ اعلیٰ درجے کی عبادت

دین کی دعوت وتبلیغ تو اعلیٰ درجے کی عبادت ہے،اور قرآنِ کریم اور حدیثِ نبوی میں جا بجا اس کی تاکید موجود ہے،دین سیکھنے اور سکھانے کے لیے جماعتِ تبلیغ وقت فارغ کرنے کا جو مطالبہ

کرتی ہے، وہ بھی کوئی نئی ایجاد نہیں، بلکہ ہمیشہ سے مسلمان اس کے لیے وقت فارغ کرتے رہے ہیں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تبلیغی وفود بھیجنا ثابت ہے۔ رہی سہ روزہ، ایک چلہ، تین چلہ اور سات چلہ کی تخصیص، تو یہ خود مقصود نہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ مسلمان دین کے لیے وقت فارغ کرنے کے تدریجاً عادی ہو جائیں اور ان کو رفتہ رفتہ دین سے تعلق اور لگاؤ پیدا ہو جائے، پس جس طرح دینی مدارس میں نو سالہ، سات سالہ کورس (نصاب) تجویز کیا جاتا ہے، اور آج تک کسی کو اس کے بدعت ہونے کا وسوسہ بھی نہیں، اسی طرح تبلیغی اوقات کو بھی بدعت کہنا صحیح نہیں۔'' نیز جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں کسی خاص دینی کام کے لیے کسی مدت کی تعیین نہیں ملتی، اسی طرح دعوت و تبلیغ کے کام کے لیے سہ روزہ، چلہ، چار ماہ یا سال کی مدت کی تعیین بھی موجود نہیں ہے، تاہم مذکورہ مدت کے لیے جماعت پر جانا ان دنوں کی گنتی میں پائی جانے والی حکمتوں کے حصول کے لیے ہوتا ہے، مثلاً تین دن اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ ہر نیکی کا بدلہ کم از کم دس گنا تک بڑھا کر دیتے ہیں، یوں اخلاص کے ساتھ ہر ماہ سہ روزہ لگانے والا گویا پورے مہینے، اور یوں پوری زندگی تبلیغ کے عمل سے جڑا ہوا ہے، اسی طرح چلہ (چالیس دن) کے انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ ان دنوں کو انسانی مزاج اور اخلاق کے تغیر و تبدل میں خاص دخل حاصل ہے۔

علم اور خانقاہ سے تعلق اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کا مختصر تعارف

حضرت مہتمم صاحب کو زمانہ طالب علمی ہی سے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے خاص محبت و عقیدت تھی۔ (شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ (1898ء تا 1982ء) بیسویں صدی کے عظیم محدث، مفسر، اور روحانی پیشوا تھے۔ آپ کا تعلق ہندوستان کے علمی و روحانی گھرانے 'خاندانِ کاندھلہ' سے تھا اور آپ اکابرین دیوبند میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کی ولادت 1898ء (رمضان المبارک 1315ھ) میں کاندھلہ، ضلع مظفر نگر، یوپی (بھارت) میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ سے حاصل کی۔ علمی خدمات اور تدریس آپ نے طویل

عرصے تک مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں علومِ اسلامیہ، خصوصاً حدیث کی تدریس کے فرائض انجام دیے۔ اسی نسبت سے آپ کو" شیخ الحدیث" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ علم حدیث میں آپ کا سب سے بڑا کارنامہ امام مالکؒ کی کتاب "أوجز المسالك إلى موطأ مالك" (موطأ امام مالک کی عربی شرح) اور" بذل المجهود في حل سنن أبي داود" (سنن ابوداؤد کی مفصل شرح) کی تصنیف ہے۔ روحانیت اور تبلیغ آپ قطب العالم مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے خلیفہ اور مجازِ بیعت تھے۔ آپ نے لاکھوں لوگوں کی روحانی اور اخلاقی تربیت کی۔ اس کے علاوہ آپ تبلیغی جماعت کے بانی، مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے قریبی رفیق اور مشیر تھے۔ تصنیف و تالیف آپ عربی اور اردو دونوں زبانوں میں ایک بلند پایہ مصنف تھے۔ آپ کی اردو تصانیف، جنہیں" فضائل اعمال" (تبلیغی نصاب) کے نام سے مجموعے کی شکل دی گئی ہے، پوری دنیا میں پڑھی اور سنی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی دیگر تصانیف میں" حکایاتِ صحابہ" اور" شمائل کبریٰ" نمایاں ہیں۔ وفات آپ نے 24 مئی 1982ء (شعبان 1402ھ) کو مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں اپنے مرشد کے پہلو میں دفن ہوئے۔

موقوف علیہ کے بعد دورہ کرنے سے قبل ہی جب حضرت مہتمم صاحب کو معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا دارالعلوم فیصل آباد میں اعتکاف فرما رہے ہیں، اس کے لئے آپ نے پہلا اعتکاف مفتی زین العابدین صاحب کے مدرسے دارالعلوم میں شیخ الحدیث محمد زکریا رحمہ اللہ کی معیت میں کیا اور وہیں حضرت شیخ سے بیعت ہونے کی سعادت بھی حاصل کی، اور سلوک کے منازل طے کرنے لگے۔ حضرت شیخ کی وفات کے بعد حضرت شیخ کے خادم خاص حضرت صوفی محمد اقبال سے بیعت کا تعلق قائم کیا، ان کی معیت میں سلوک کے مراحل طے کرتے گئے، پھر حضرت پیر محمد عزیز الرحمان ہزاروی رحمہ اللہ سے بیعت کا تعلق قائم ہوا، ہر ماہ باقاعدگی سے ان کے مرکز صدیق اکبر راولپنڈی جاتے رمضان میں آخری مسنون اعتکاف وہاں جا کر حضرت کی معیت میں اعتکاف فرماتے رہے۔

حضرت مہتمم صاحب کے مشائخ کا مختصر تعارف

حضرت مولانا پیر عزیز الرحمنؒ حضرت مولانا صاحبزادہ محمد ایوبؒ کے ہاں فروری ۱۹۴۸ء کو پیدا ہوئے۔ اپنے دادا صاحبزادہ حضرت مولانا عبدالمنانؒ سے تعلیم کا آغاز کیا، ان کے وصال کے بعد اپنے والد سے پڑھتے رہے۔ مختلف مدارس میں پڑھنے کے بعد ۱۹۷۱ء میں دورہ حدیث دارالعلوم اکوڑہ خٹک سے کیا۔ فراغت کے بعد راولپنڈی میں ایک مسجد میں امامت وخطابت کی۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہٗ سے آپ نے بیعت کی۔ محرم الحرام ۱۴۰۱ھ میں حضرت شیخ نے آپ کو خلافت دی۔ آپ رمضان المبارک کا اعتکاف حضرت شیخ کے طرز پر کیا کرتے تھے۔

آپ نے حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی قدس سرہٗ کی بہت زیادہ خدمت کی اور آپ کے اندر جو مجاہدانہ صفات تھیں وہ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی قدس سرہٗ کی خدمت وصحبت کی بدولت تھیں۔

آپ نے پاکستان کی ہر تحریک میں اول دستے کا کردار ادا کیا۔ عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت سے آپ کو خصوصی تعلق ولگاؤ تھا۔ آپ اپنے مریدین کو درود شریف زیادہ سے زیادہ پڑھنے کی ترغیب دیتے تھے۔ آپ نے راولپنڈی میں اپنے شیخ کے نام سے دارالعلوم زکریا کے نام سے ایک ادارہ کی بنیاد رکھی اور آج بڑے اداروں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہٗ کے خلیفہ مجاز، ہزاروں متوسلین کے شیخ حضرت مولانا پیر عزیز الرحمن ہزارویؒ ۲۳ جون ۲۰۲۰ء کو الشفاء ہسپتال راولپنڈی میں اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ گئے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون۔

آپ کی نمازِ جنازہ خانقاہ کربوغہ شریف کے سجادہ نشین حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کے خلیفہ حضرت مولانا مفتی سید مختار الدین شاہ صاحب نے پڑھائی، جس میں ایک بڑی خلقت نے شرکت کی۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی ان محنتوں، جدوجہد اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے آپ کی قربانیوں کو قبول فرمائے، لغزشوں کو معاف فرمائے اور جنت الفردوس کا مکین بنائے، آمین۔

پھر ان کے بعد حضرت پیر مختار الدین شاہ صاحب رحمہ اللہ سے اصلاحی تعلق قائم ہوا یہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کے آخری خلیفہ تھے۔ ان کے جا جا کر سلوک کے منازل طے کرتے رہے ان

سے بھی والہانہ عقیدت ومحبت تھی کیونکہ تصوف اور روحانیت میں اپنے پیر ومرشد سے محبت، قربِ الٰہی اور باطنی ترقی کی بنیادی شرط ہے۔ سچی محبت مرید کو گناہوں سے دور، اخلاقِ حسنہ کا پیکر بناتی ہے اور مرشد کے احکامات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشتی ہے۔ حضرت پیر صاحب کا تاریخ وصال: 29 دسمبر 2025 کو ہوا وہ جامعہ زکریا دارالامان کے شیخ الحدیث اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سرپرست تھے۔ آپ تحریکِ ایمان وتقویٰ کے بانی اور امت کی اصلاح کے لیے مشہور تھے۔ آپ کی خانقاہ میں سال بھر تعلیم وتربیت جاری رہتی تھی اور ملک کے مختلف علاقوں سے لوگ چلہ، عشرہ اور سہ روزہ کے لیے تشریف لاتے تھے۔ آپ کا مقصد مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنا، امت میں اتحاد واتفاق قائم کرنا اور ایک بہترین اسلامی معاشرہ تشکیل دینا تھا۔ آپؒ نے لاکھوں طلبہ اور مریدین کی علمی واخلاقی تربیت کی، بے شمار لوگوں کی فکری الجھنوں کو سلجھایا، اور معاشرے میں دین کو شدت کے بجائے حکمت کے ساتھ پیش کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شخصیت مسلکی تنگ نظری سے بالاتر ہو کر ایک مشترکہ علمی اثاثہ بن چکی تھی۔

سید مختار الدین شاہؒ کا فیض ونور بصیرت کا سلسلہ ان کے خاندان اور سیکڑوں خلفاء کے ذریعے انشاء اللہ تاقیامت جاری رہے گا۔ ان کے خلفاء میں نامور عالم دین مولانا سید عدنان کاکا خیل اور جامعہ بنوریہ عالمیہ کراچی کی معروف علمی وروحانی شخصیت مولانا سعید اللہ شاہ جو کام کر رہے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی تمام خدمات کو قبول فرمائے اور درجات بلند کرے۔ آمین۔

آخر الذکر تینوں حضرات کے آپ خلیفہ بھی تھے، حضرت کو بزرگان دین سے والہانہ عقیدت محبت تھا، اپنے ضلع چکوال میں کسی صاحب نسبت بزرگ عالم کی آمد کی خبر ملتی فوراً ان کی خدمت میں پہنچتے، اور اپنے ادارہ میں آنے کی درخواست کرتے، اور جب وہ آجاتے تو اپنے ادارہ کے طلبائے کرام اور اساتذہ عظام اور اہل علاقہ کے لوگوں کو وعظ ونصیحت کرنے کی التجا کرتے، اگر پہلے سے کسی عالم کے آنے کی خبر ہو جاتی، پھر باقاعدہ گشت فرما کر فرداً فرداً ہر خاص وعام کو مل کر اہل اللہ کی صحبت حاصل کرنے کی دعوت دیتے، اور ان سے فرماتے کہ صاحب نسبت بزرگوں سے عقیدت ومحبت روحانی ترقی اور تزکیۂ نفس کا زینہ ہے۔ ان سے قلبی لگاؤ انسان کو گناہوں سے بچا کر نیکی کی راہ پر گامزن کرتا

ہے، کیونکہ ان کی صحبت اور ذکرِ خیر سے دلوں کو سکون، ہدایت اور اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے، روحانی سفر میں ایک کامل مرشد یا صاحبِ نسبت بزرگ کا ہونا روحانی بیماریوں کا علاج ہے۔ ان کی صحبت انا (Ego) کو ختم کر کے انسان کو عاجزی اور انکساری سکھاتی ہے۔ اس کے لئے جامع مسجد فاروقیہ سالانہ جلسہ دونوں بھائی مولانا محمد شفیق صاحب دامت برکاتہم لعالیہ اور موصوف اپنی جیب خرچ سے کراتے، اسی طرح دونوں اداروں دارالعلوم تدریس القرآن، دارالعلوم زکریا ڈھکو میں ایسے بابرکت اجتماع کا اہتمام کراتے رہتے اور مجھے بھی اس میں حاضری کی سعادت سے بہرہ ور کرتے۔ بزرگوں کی نسبت سے جمع ہونے اور ان کا تذکرہ کرنے میں جہاں برکتیں حاصل ہوتی ہیں اور ان کے ساتھ تعلق و نسبت کا اظہار ہوتا ہے وہاں ان سے راہنمائی حاصل کرنے کا موقع بھی ملتا ہے، جو اکابر اور بزرگوں کے تذکرہ کا اصل مقصد ہوتا ہے۔ ہمارے پاس اب نسبتوں کا یہ سرمایہ ہی باقی رہ گیا ہے اس کے سوا ہمارے پاس کچھ نہیں ہے اور انہی نسبتوں کے باعث دنیا اور آخرت دونوں جگہ خیر و سعادت کے حصول کی ہم امید رکھتے ہیں۔ وفات سے ایک عشرہ قبل دسویں تراویح کے ختم قرآن اور دعا کے بعد راقم الحروف کی ملاقات میں بھی اپنے محبوب اساتذہ اور دین کی نسبتوں کا ذکرِ خیر رہا۔ ہر دم مادرِ علمی سے وفاء کا دم بھرتے تھے۔ اپنی روحانی اولادوں کو اکابر سے الفت و عقیدت کے جذبات سے وفاء شعاری کا سبق پڑھانے کا محبوبانہ انداز رکھتے تھے۔ طلبہ سے برتاؤ میں اولاد کی مانند تربیت کا رنگ زندگی بھر مزاج کا حصہ رہا۔ طالبانِ علوم دینیہ کو اللہ کا مہمان سمجھتے ہوئے ان کی خدمت کو اپنے لیے سعادت گردانتے تھے۔

نسبت سے مراد

یاد رکھئے آدمی کا کسی دوسرے آدمی سے روحانی تعلق قائم ہونے کو نسبت کہتے ہیں یعنی ایک یا زیادہ آدمی کسی ایک آدمی سے اتنے متاثر ہو جائیں کہ وہ اس کی طبیعت اس کے افکار اور اس کی طرز فکر کو قبول کر لیں! نسبت سے مراد یہ ہے کہ کسی بزرگ سے آپ کا روحانی تعلق قائم ہو جائے آپ کی طرز فکر ان کی طرز فکر کے مطابق ہو جائے اللہ والوں کا ہر عمل اور ہر کام اللہ کے لئے ہوتا ہے، وہ اللہ

کی معرفت سوچتے ہیں، اللہ کے لئے سوتے ہیں، اللہ کے لئے جاگتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے لئے جیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ!" ہمارا یقین ہے کہ ہر امر اللہ کی طرف سے ہے۔" حضور پاک ﷺ کے زمانے میں صحابہ کرامؓ وہی کچھ کرتے تھے جو حضور پاک ﷺ کرتے تھے، صحابہ کرامؓ حضور ﷺ کی سوچ سے آگاہ تھے، وہ حضور ﷺ کے مزاج شناس تھے، حضور ﷺ کو جو اعمال ناپسند تھے صحابہؓ ان کاموں سے اجتناب کرتے تھے، حضور ﷺ کے لئے جو اعمال پسندیدہ تھے، انہیں ذوق وشوق سے انجام دیتے تھے، نسبت کا ایک مفہوم یہ ہے کہ فیض حاصل ہونا یا طرز فکر کا منتقل ہونا نسبت کا مطلب ہے بڑوں کی سوچ منتقل ہونا، سوچ اس طرح منتقل ہو جائے کہ وہ سوچ آپ کا مزاج بن جائے، آپ وہی کام کرنے لگیں جو آپ کے بزرگ کرتے ہیں۔

اپنے نفس کی اصلاح واجب ہے

یاد رکھئے ہر انسان پر اپنے نفس کی اصلاح واجب ہے، اس کے لیے جس طرح اور ذرائع ہیں اسی طرح کسی سے بیعت ہو جانا بھی ایک مؤثر اور کامیاب ذریعہ ہے، لہذا کسی متبع سنت وشریعت بزرگ سے باقاعدہ اصلاحی تعلق قائم کر لینا چاہئے۔ نیز یہ ملحوظ رہے کہ بیعت کا مقصد چوں کہ رشد و ہدایت اور اصلاحِ نفس ہے، اس لیے شیخ میں مندرجہ ذیل صفات کا ہونا ضروری ہے، جس شیخ میں یہ صفات پائی جائیں ان سے بیعت ہو سکتے ہیں، بیعت کے لیے شیخ کے انتخاب کا فیصلہ آپ خود اپنے طبعی مزاج اور استفادے کے امکان وسہولت کو سامنے رکھ کر کریں کتاب وسنت کا ضروری علم رکھتا ہو خواہ پڑھ کر یا علماء سے سن کر۔ عدالت وتقوی میں پختہ ہو، کبائر سے اجتناب کرتا ہو، صغائر پر مصر نہ ہو۔ دنیا سے بے رغبت ہو (حبِ مال وحبِ جاہ سے خالی ہو)، آخرت میں رغبت رکھتا ہو، طاعاتِ مؤکدہ واذکار منقولہ کا پابند ہو۔ نیکیوں کا حکم کرتا ہو، برائیوں سے روکتا ہو۔ سلوک، تزکیۂ باطن کو معتبر مشائخ سے حاصل کیا ہو، اور ان کی صحبت میں طویل عرصہ رہا ہو۔

بیعت کی حقیقت، اہمیت

بیعت ہونا فرض نہیں ہے، البتہ دین کے راستہ پر چلنا اور نفس کا تزکیہ اور اصلاح کرانا فرض ہے۔ اور کسی متبع سنت وشریعت پیر سے بیعت ہونا اسی اصلاح کا ایک ذریعہ ہے۔ اصلاحِ نفس اور بیعت کی حقیقت، اہمیت اور ضرورت کے حوالے سے ہمارے اکابرین کے اقوال ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں، جنہیں پڑھ کر کوئی بھی سلیم الفطرت مرد یا عورت ان دونوں سے غافل نہیں رہ سکتا، اگر چہ اصلاح ہونا صرف بیعت ہوجانے پر ہی موقوف نہیں ہے، بیعت ہوئے بغیر بھی کسی متبع سنت وشریعت عالم اور اللہ والے سے اپنے نفس کی اصلاح کے معاملے میں راہ نمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”میں فتویٰ تو یہی دیتا ہوں کہ بیعت ہونا فرض نہیں ہے، بیعت سنتِ مؤکدہ بھی نہیں ہے، اصلاح فرض ہے، لیکن بیعت برکت کی چیز ہے۔“ (راہ سلوک کے آداب اور حقوق شیخ، ص: 30، ط: ادارہ تالیفات اختریہ)

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تمام علماء وفقہاء کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ رذائل سے بچنا اور فضائل کو حاصل کرنا ہر عاقل، بالغ پر فرض ہے، یہی فریضہ ہے جس کو اصلاحِ نفس یا تزکیہ نفس اور تزکیہ اخلاق یا تہذیبِ اخلاق کہا جاتا ہے، اور یہی تصوف کا حاصل ومقصود ہے۔ جس طرح ہر مرد وعورت پر اپنے اپنے حالات ومشاغل کی حد تک اُن کے فقہی مسائل جاننا فرض ہے اور پورے فقہ کے مسائل میں بصیرت ومہارت پیدا کرنا اور مفتی بننا سب پر فرض نہیں بلکہ فرضِ کفایہ ہے، اسی طرح جو اَخلاقِ حمیدہ کسی میں موجود نہیں، انہیں حاصل کرنا اور جو رَذائل اس کے نفس میں چُھپے ہوئے ہیں اُن سے بچنا، تصوف کے جتنے علم پر موقوف ہے، اس علم کا حاصل کرنا فرضِ عین ہے اور پورے علمِ تصوف میں بصیرت ومہارت پیدا کرنا کہ دوسروں کی تربیت بھی کرسکے، یہ فرضِ کفایہ ہے۔ جس طرح قرآن وسنت سے فقہی مسائل واحکام نکالنا اور حسبِ حال شرعی حکم معلوم کرنا ہر ایک کے بس کا کام نہیں، بلکہ راہ نمائی کے لیے استاذ یا فقیہ اور مفتی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے،

اسی طرح باطنی اخلاق کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھالنا ایک نازک اور قدرے مشکل کام ہے، جس میں بسا اوقات مجاہدوں، ریاضتوں اور طرح طرح کے نفسیاتی علاجوں کی ضرورت پیش آتی ہے، اور کسی ماہر کی رہنمائی کے بغیر چارہ کار نہیں ہوتا، اس نفسیاتی علاج اور رہنمائی کا فریضہ شیخ ومرشد انجام دیتا ہے۔ اسی لیے ہر عاقل و بالغ مرد وعورت کو اپنے تزکیہ اخلاق کے لیے ایسے شیخ ومرشد کا انتخاب کرنا پڑتا ہے جو قرآن وسنت کا متبع ہو، اور باطنی اخلاق کی تربیت کسی مستند شیخ کی صحبت میں رہ کر حاصل کر چکا ہو۔

بیعت سنت ہے، فرض و واجب نہیں: بیعت کی حقیقت یہ ہے کہ وہ مرشد اور اس کے شاگرد (مرید) کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے، مرشد یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ اس کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی گزارنا سکھائے گا، اور مرید وعدہ کرتا ہے کہ مرشد جو بتلائے گا اس پر عمل ضرور کرے گا، یہ بیعت فرض و واجب تو نہیں، اس کے بغیر بھی مرشد کی رہنمائی میں اصلاحِ نفس کا مقصد حاصل ہوسکتا ہے، لیکن بیعت چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہے اور معاہدہ کی وجہ سے فریقین کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس بھی قوی رہتا ہے، اس لیے بیعت سے اس مقصد کے حصول میں بہت برکت اور آسانی ہوجاتی ہے۔" (امداد الاحکام، ج:1، ص:39، 47، 48، ط: مکتبہ دارالعلوم کراچی)

تصوف کا اسلامی علوم، اردو ادب، اور برصغیر کی ثقافت کے ساتھ گہرا اور دیرپا تعلق ہے، جو روحانیت، اخلاقیات اور انسانیت سے محبت پر مبنی ہے۔ صوفیاء کرام نے اپنے باطنی تزکیہ (نفس کی پاکیزگی) اور عشقِ حقیقی کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں اللہ کی محبت پیدا کی، دینی مدارس اور خانقاہوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ تصوف شریعت کے بغیر نامکمل ہے، اور صوفی اپنے دل کو پاک کرنے کے لیے شریعت کے احکامات پر عمل کرتا ہے، ظاہری اعمال کو درست کرنے کے طریقوں کو فقہ کہتے ہیں اور باطنی اعمال کو درست کرنے کے طریقوں کو طریقت کہتے ہیں۔ جب دل کی اصلاح اور صفائی ہوجاتی ہے تو اس کی وجہ سے کچھ اعمال اور اشیاء کے خواص اور حقائق منکشف ہوجاتے ہیں۔ اسی انکشاف کو حقیقت کہتے ہیں پھر جب یہ انکشافات ہوجاتے ہیں تو بندے کا اللہ تعالیٰ

کے ساتھ ایسا تعلق قائم ہو جاتا ہے کہ بندہ اپنے حالات کے مطابق رب کی منشاء کو سمجھنے لگتا ہے کہ اس کی جو بھی حالت ہے اس میں اللہ تعالیٰ کس کام سے زیادہ راضی ہوں گے۔صوفیا حضرات اپنی تعلیمات میں سب سے زیادہ جس چیز پر زور دیتے ہیں وہ عشق ومحبتِ خداوندی ہے، کیونکہ محبت ہی ایک ایسی چیز ہے جو محب کو اپنے محبوب کی اطاعت پر مجبور کرتی ہے اور اس کی نافرمانی سے روکتی ہے اور محب کے دل میں محبوب کی رضا کی خاطر ہر مصیبت وتکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کی قوت وصلاحیت پیدا کرتی ہے،اور محبت ہی وہ چیز ہے جو محب کو مجبور کرتی ہے کہ وہ ایسا عمل کرے جس سے محبوب راضی ہو اور ہر اس عمل وکردار سے باز رہے جس سے محبوب ناراض ہو، چنانچہ صوفیاً حضرات اگر زہد،تقویٰ،عبادت، ریاضت اور مجاہدے اختیار کرتے ہیں تو ان کا مقصد صرف اور صرف خدا کی رضا حاصل کرنا ہوتا ہے۔وہ جنت کی لالچ یا جہنم کے خوف سے خدا کی بندگی نہیں کرتے، چنانچہ حضرت رابعہ بصریہؒ اپنی ایک دعا میں فرماتی ہیں: ’’خدایا! اگر میں تیری بندگی جنت کے لیے کرتی ہوں تو مجھے اس سے محروم رکھنا، اگر میں جہنم کے خوف سے تیری عبادت کرتی ہوں تو مجھے اس میں جھونک دینا،لیکن اگر میں تیری بندگی تجھے پانے کے لیے کرتی ہوں تو مجھے اپنے آپ سے محروم نہ رکھنا،خلاصہ یہ ہے کہ صوفیاً کی اصطلاح میں اس کے معنی ہیں: اپنے اندر کا تزکیہ اور تصفیہ کرنا،یعنی اپنے نفس کو نفسانی کدورتوں اور رذائل اخلاق سے پاک وصاف کرنا اور فضائل اخلاق سے مزین کرنا۔(۲) اور صوفیاء ایسے لوگوں کو کہا جاتا ہے جو اپنے ظاہر سے زیادہ اپنے اندر کے تزکیہ اور تصفیہ کی طرف توجہ دیتے ہیں اور دوسروں کو اسی کی دعوت دیتے ہیں۔

علاوہ اس کے آپ بیک وقت کئی کاموں کی سرپرستی فرمارہے تھے، دعوت وتبلیغ، خانقاہی خدمات، مساجد ومکاتب، مدارس کی سرپرستی کے علاوہ اشاعتِ درود شریف کا آپ کو خوب ذوق تھا، ختمِ نبوت کی کانفرنسوں میں خصوصاً چکوال اور مضافات میں آپ بنفسِ نفیس شریک ہوتے۔اور ختمِ نبوت کانفرنس چناب نگر بھی کئی بار تشریف لے گئے۔ان کی پوری زندگی دین کی خدمت میں گذری، ان کی زندگی سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ دین اور دینی داروں سے محبت کی جائے، علمائے حق کے زیرسایہ رہ کر ان کی اتباع واطاعت میں اپنی جان بھی پیش کرنے سے پیچھے نہ رہا جائے، حق چاہے کتنا

بھی کڑوا کیوں نہ ہو؟ اس کو بیان کرنے سے ہرگز پیچھے نہ ہٹنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی تمام خدمات کو قبول فرمائے اور آپ کے لیے ان کو صدقۂ جاریہ بنائے۔

ختم قرآن کے موقع پر بیان اس کا کا خلاصہ

رمضان المبارک کی بیسویں تراویح ختم قرآن کے موقع پر بیان کا خلاصہ راقم کے الفاظ میں پیش خدمت ہے، فرمایا:

قرآن وسنت میں انسان کے ظاہری اعمال اومعاملات اور باطنی عقائد اور اخلاق سب ہی کی اصلاح کا مکمل نظام موجود ہے۔ اُمت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حضرات تابعین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے لے کر موجودہ زمانے کے صالحین کاملین مقبولین تک جس کو جو کچھ حاصل ہوا ہے، وہ صرف اسی راہ سلوک کے نظام عمل کی مکمل پابندی سے ہوا ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکاۃ اور نکاح وطلاق اور اس قسم کے دیگر معاملات کو علم فقہ میں اور اعمالِ باطنہ میں سے عقائد کو علمِ عقائد میں اور اخلاق اور معاشرت کو علم تصوف میں جمع کر دیا گیا ہے۔ مگر ایک طویل زمانے سے عام مسلمانوں کی اکثریت اپنی غفلت کے نتیجہ میں علوم دینیہ سے بے بہرہ ہوتی چلی جارہی ہے، خاص طور پر وہ علم جس کا تعلق اصلاحِ باطن سے ہے، وہ تو ایسا متروک ہو چکا ہے کہ عوام تو عوام، خواص یعنی علماء کی بھی ایک بہت بڑی تعداد اس سے لاتعلق ہو کر رہ گئی ہے، جس کی وجہ سے بہت بڑی خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں۔ شاید لوگوں نے صرف اعمال ظاہرہ کو ہی کامل اور مکمل دین سمجھ لیا ہے۔ صدق واخلاص، توحید و توکل، صبر وشکر، تقویٰ و پرہیزگاری کے الفاظ صرف زبانوں پر ہی رہ گئے۔ حب جاہ، حب مال، کبر و نخوت، غیظ وغضب، کینہ وحسد جیسے مہلک امراض سے نجات حاصل کرنے کی فکر بھی دلوں سے محو ہو کر رہ گئی۔ آج ہمارا حال یہ ہے کہ اپنے ظاہر کو تو ہم نے کچھ نہ کچھ شریعت کے مطابق بنا دیا ہے، ظاہری اعمال کی بھی ہم کچھ نہ کچھ پابندی کر ہی لیتے ہیں، تاکہ لوگوں کی نظروں سے گر نہ جائیں۔ ایسے گناہوں سے بھی کسی نہ کسی حد تک ہم اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں، جو گناہ عوام کی نظر میں علم اور علماء کے منصب کے خلاف سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن باطنی گناہوں سے جو ظاہری گناہوں سے زیادہ

خطرناک ہوتے ہیں، اپنے آپ کو بچانے کی کوئی فکر نہیں کرتے اور اس حوالے سے ہمارا حال انتہائی قابل تشویش ہے۔

یہاں پر ہم سب کو اپنے نفس سے ایک سوال کرنا چاہیے کہ نماز روزے کا اہتمام اور چوری، بدمعاشی، عیاشی، سود خوری، رقص وسرود اور کھیل تماشوں کی محفلوں سے اجتناب اگر واقعی خوف خدا کے نتیجہ میں ہے تو پھر کیا سبب ہے کہ ہم لوگوں سے چُھپ چُھپا کر ایسے گناہ کیا کرتے ہیں، جن سے شیطان بھی شرما جاتا ہے؟ ان مواقع پر خوفِ خدا اور فکر آخرت ہمارے سامنے کیوں نہیں آتے؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہ ہمارا ظاہری تقویٰ صرف لوگوں کو دکھانے کے لیے ہم نے اختیار کیا ہوا ہے، اس لیے ہم صرف ان گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں، جن کی وجہ سے ہماری امامت اور خطابت پر حرف آتا ہے۔ باقی جن باطنی گناہوں پر جبہ ودستار کا پردہ ڈالا جاسکتا ہے، ان کو ہم نے شیر مادر سمجھ کر اختیار کیا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہماری تقریروں میں، خطبوں میں اور بیانات میں کوئی اثر نہیں، اللہ والوں کی خانقاہوں میں، ان باطنی بیماریوں کا علاج کیا جاتا ہے اور اللہ والوں کی صحبت کی وجہ سے دلوں میں خشیت الٰہی، تقویٰ و پرہیزگاری اور اخلاص اور سچائی پیدا ہوجاتی ہے۔

عقل مند کون ہے؟

حضرت مہتمم صاحب اللہ تعالیٰ کے ذاکر بندوں میں سے تھے، وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کرتے تھے، قرآن کریم میں بھی ان لوگوں کو عقلمند کہا گیا ہے، جو کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں، اور آسمان اور زمین کی چیزوں میں فکر کرتے ہیں، اور بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں کہ: ''اے پروردگار! یہ سب آپ نے بیکار میں پیدا نہیں کیا، بلکہ ایک مقصد کے لیے دنیا کو امتحان گاہ بنایا ہے، اصل تو آخرت ہے تو آپ ہمیں آگ کے عذاب سے بچادیجئے''۔

ایک عقل معاد ہے: یعنی وہ عقل جو آخرت کے لیے استعمال ہو، اور دوسری عقل معاش ہے: یعنی وہ عقل جو دنیا کے لیے کمائی کے نت نئے طریقوں کے لیے استعمال ہو۔ لوگ عام طور پر عقل معاش والے کو عقلمند سمجھتے ہیں، حالانکہ اصل تو عقل معاد ہے، جو آخرت بنانے کے لیے

استعمال ہوتی ہے، عقل معاش تو کافروں کو بھی حاصل ہے۔

جسے ذکر مل گیا، اسے ولایت الٰہی اور محبت الٰہی کا دُستور مل گیا۔ آدمی اگر ذاکر نہیں تو غافل ہے اور غافل سے شیطان اس طرح کھیلتا ہے، جس طرح کھلاڑی گیند سے کھیلتا ہے۔ ذکر کی برکت سے غفلت نکل جاتی ہے، اور آدمی کو فضول کاموں سے نفرت ہو جاتی ہے۔ ذکر کرتے کرتے ذکر جاری ہو جاتا ہے اور ذکر کا ایسا مزاج بن جاتا ہے کہ آدمی ذکر کو چھوڑنا بھی چاہے تو چھوڑ نہیں سکتا، ذکر اس کی طبیعت بن جاتا ہے، ذکر اس کی زندگی بن جاتی ہے، ذکر اس کی خوراک بن جاتی ہے، ذاکر بندہ ذکر کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ حضرت مہتمم صاحب کی خانقاہ میں ذکر الٰہی کی ضربیں لگتی تھیں، جن کی وجہ سے مردہ دل زندہ ہو جاتے تھے۔ اللہ والوں کی صحبت سے مردہ دل زندہ ہوتے ہیں، بیمار دل تندرست ہو جاتے ہیں، اور غافل دل غفلت سے نکل آتے ہیں۔ اللہ والوں کی صحبت سے نیکیوں سے محبت اور گناہوں سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ شیطان ہر ایک سے ایک جیسے گناہ نہیں کراتا، بلکہ شیطان ہر شخص سے اس کے لحاظ سے گناہ کرواتا ہے، مثلاً: وہ علماء اور دین داروں کو حسد، بغض، کینہ، غیبت، حب جاہ اور حب مال کی بیماریوں میں مبتلا کرتا ہے۔ عورتوں کو فیشن اور بے پردگی کی بیماریوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ طلبہ کو ذہنی انتشار میں گرفتار کر دیتا ہے، اور فکر معاش ان پر مسلط کر دیتا ہے کہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد تو اپنا پیٹ کس طرح پالے گا۔ اللہ والوں کی صحبت میں ذکر کی برکت سے ان بیماریوں میں مبتلا لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صحتیاب ہو جاتے ہیں؟ ان کو اللہ پر اعتماد ہو جاتا ہے، وہ احساس کمتری سے باہر نکل آتے ہیں، ان کو ایمان کی حلاوت اور اسلام کی لذت محسوس ہونے لگتی ہے، جس طرح میلے کچیلے سیپ میں چھپے ہوئے موتی کو اپنی قیمت معلوم نہیں ہوتی، اسی طرح عام طور پر ایک کلمہ پڑھنے والے کو بھی اپنی قدر و قیمت کا حقیقی اندازہ نہیں ہوتا، لیکن اللہ والوں کی صحبت سے اس پر حقیقت کھل جاتی ہے۔

رمضان المبارک کے معمولات

رمضان المبارک کے پاک مہینے کا نزول ہوتے ہی حضرت مہتمم صاحب کی عبادت و ریاضت

میں کثرت ہوجاتی، معمولات زندگی کو ترک کر کے اس خاص مہینے کا پورا پورا لطف اٹھاتے، قرآن پاک رمضان المبارک کے مہینے میں نازل ہوا، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال رمضان المبارک میں حضرت جبریل علیہ السلام کے قرآن کریم کا دور فرمایا کرتے تھے، بعد میں جب تراویح باجماعت کا سلسلہ شروع ہوا تو یہ تعلق اور گہرا اور پائیدار ہوگیا، اور الحمدللہ اب صرف رمضان المبارک کے مہینے میں جتنا قرآن پاک پڑھا جاتا ہے شاید ہی سال بھر میں بھی اتنا نہ پڑھا جاتا ہو، اہل اللہ اور شائقین عبادت کے لئے یہ مقدس مہینہ موسم بہار بن کر آتا ہے، جی چاہتا ہے کہ رمضان کی مبارک ساعتیں ذکر واذکار اور تلاوت وعبادت میں گزار دیں، اور ان بابرکت مصروفیتوں میں دنیا کی کوئی مصروفیت حائل نہ ہو، اور جب یکسوئی کے ساتھ آدمی عبادت میں لگ جاتا ہے تو حیرت انگیز طور پر عبادت کی مقدار بھی بڑھ جاتی ہے۔ تمام اہل اللہ کا تجربہ ہے کہ دل کی صفائی، ایمانی کیفیات میں زیادتی اور انسان میں استقامت کی صفات پیدا کرنے میں سب سے زیادہ پر اثر عمل ''قرآن کریم کی تلاوت'' ہے، اس لئے باتوفیق حضرات کی زندگی میں تلاوت میں استقامت سب سے زیادہ نظر آتا ہے۔ چنانچہ رمضان المبارک میں پورے ماہ کا اعتکاف کرتے اور ماہ مبارک میں خاص حالت ہوتی اور دن رات عبادت خداوندی کے سوا کام ہی نہ ہوتا، آپ اگرچہ خود حافظ نہ تھے لیکن نہایت اشتیاق کے ساتھ دیگر حفاظ کرام سے تراویح اور تہجد کے نوافل میں ساری ساری رات کلام پاک سنتے تھے، تراویح میں تین پارے روزانہ سنتے، تراویح میں پورے مہینہ میں تین ختم سن لیا کرتے تھے آپ کا اوابین میں ڈیڑھ پارہ اور نماز تہجد میں دو پارے سننے کا معمول تھا، ساری ساری رات آپ متعدد حفاظ سے کلام پاک سننے میں گزار دیتے، مسلسل کھڑے ہونے کی بنا پر آپ کے پاؤں پر ورم آجاتا تو دل میں خوش ہوتے کہ اس سنت کی ادائیگی کی بھی سعادت حاصل ہوگئی، اللہ والوں کے معمولات اس وجہ سے نہیں لکھے جاتے کہ سرسری نگاہ سے ان کو پڑھ لیا جائے، اشراق کے بعد تین سے چار گھنٹے آرام کرتے، پھر سارا دن کلام اللہ کی دیکھ کر تلاوت کا معمول تھا یا کوئی تفریحی فقرہ ان کو کہہ دیا جائے، بلکہ اس لئے ہیں کہ اپنی ہمت کے موافق ان کا اتباع کیا جائے، اور حتی الوسع پورا کرنے کا اہتمام کیا جائے کہ ان حضرات کے افعال واقوال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو جامع

کمالات کا سچا مصداق ہیں، آپ ﷺ ہی کے مختلف احوال کا پرتو ہیں۔

رمضان المبارک کی 23 شب ابھی تراویح کی نماز ادا کر کے گھر پہلا قدم رکھا ہی تھا گھر والوں نے موبائل مجھے پکڑایا کہ آپ کی کال آرہی ہے، دیکھا تو اپنے عزیز دوست قاری حبیب الرحمان صاحب کی کال تھی، فرمارہے تھے، کہ حضرت مہتمم صاحب کی طبیعت زیادہ خراب ہے، گھر سے نکلو میں بائیک پر آرہا ہوں، وہاں خانقاہ میں پہنچے تو حضرت مہتمم صاحب کی میت خانقاہ کی پچھلی صف میں تھی ،اللہ والے اپنی پوری زندگی کی طرح موت کے وقت بھی مکمل طور پر اللہ کی رضا پر راضی رہتے ہیں۔ ان کی زبان پر کوئی شکوہ نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ کے ہر فیصلے کو سراسر حکمت اور خیر تسلیم کرتے ہیں۔حضرت کے دنیا سے رخصت ہوتے وقت ان کے چہرے پر ایک خاص قسم کا اطمینان، سکون اور نور تھا، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے نیک بندے ہیں اور انہیں آخرت کی خوشخبری مل گئی ہے۔اولیاء اللہ موت کو فنا نہیں بلکہ محبوبِ حقیقی (اللہ تعالیٰ) سے ملاقات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (اپنے رب کی طرف لوٹ اس حال میں کہ تو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی ہے)۔ یہی وجہ ہے کہ بزرگانِ دین موت سے گھبرانے کے بجائے اس کا پرمسرت استقبال کرتے ہیں۔حضرت کی میت کو علمائے کرام نے گھیرا ہوا تھا، معلوم ہوا کہ حضرت نے عشاء کے فرائض کی ادائیگی کے بعد دو رکعت سنت ادا کی، اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے پاس بلالیا، کیسی پیاری اور سعادت مندی والی موت تھی کہ اولاً ماہِ رمضان، ثانیاً آخری عشرہ کی شب اور شب جمعہ ثالثاً نماز کی کیفیت، اور اعتکاف کی حالت سبحان اللہ، اولیاء اللہ کی وفات کی کیفیات عام انسانوں سے مختلف اور ایمان افروز ہوتی ہیں، اور ان کی آخری گھڑیاں پرسکون، ذکرِ الٰہی سے معمور اور دیدارِ حق کی تڑپ سے بھرپور ہوتی ہیں۔

جب کسی عالم باعمل کی موت کی خبر سننے کو ملتی ہے تو سمجھ دار انسان پر سکتے کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آج ہم کسی قریبی عزیز یا سرپرست کی شفقتوں سے محروم ہوگئے ہیں۔چلچلاتی ہوئی دھوپ میں بادلوں کا سایہ ہم سے ہٹ گیا ہے، زمین قدموں کے نیچے سے سرک گئی ہے، بہاریں ہم سے روٹھ گئی ہیں، اور دل میں خیال ابھرتا ہے کہ اب ہم روحانی توانائی کہاں

سے حاصل کریں گے۔سینہ غم سے تنگ ہو جاتا ہے، آنکھیں پُرنم ہو جاتی ہیں، یوں سمجھیں کہ ان کے چلے جانے کے بعد دنیا ویران نظر آتی ہے۔مگر جب عالم باعمل کی وفات پر ان کے ہم عصروں اور شاگردوں کے خوبصورت الفاظ اور دعائیں سننے کو ملتی ہیں تو دل گواہی دیتا ہے کہ بامقصد زندگی تو انہی کی تھی اور سعادت کی موت بھی انہی کی ہے کہ جو مرتے دم تک رب کا قرآن اور نبی ﷺ کا فرمان سنا گئے اور اپنے رب کے فضل اور نیک اعمال کے ذریعے دنیا کی نیک نامی کے ساتھ ساتھ آخرت کی کامیابیوں کو سمیٹ گئے۔

اس موقع پر نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث بھی ذہن میں آتی ہے کہ، اللہ تعالی علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ اس کو بندوں (کے سینوں) سے ہی چھین لے۔بلکہ وہ (پختہ کار) علماء کو موت دے کر علم کو اٹھائے گا۔حتیٰ کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، ان سے سوالات کیے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے جواب دیں گے۔چنانچہ وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔(بخاری شریف) حضرت سیّدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عالم کی موت دین اسلام میں ایک ایسا شگاف ہے کہ جب تک رات اور دن بدلتے رہیں گے کوئی چیز اس شگاف کو نہیں بھر سکتی۔

حضرت کعب فرماتے ہیں: تم پر لازم ہے کہ علم کے چلے جانے سے پہلے اسے حاصل کرلو، بے شک اہلِ علم کا وفات پانا علم کا جانا ہے، عالم کی موت گویا ایک تارا ہے جو ڈوب گیا، عالم کی موت ایک ایسی دراڑ ہے جو بھری نہیں جاسکتی، ایک ایسا شگاف ہے جو پُر نہیں ہوسکتا، علما پر میرے ماں باپ قربان، ان کے بغیر لوگوں میں کوئی بھلائی نہیں۔(اخلاق العلماء، صفحہ 31) علماء کرام روشنی کے ایسے بلند و بالا مینار ہوتے ہیں جن کے نفوس قدسیہ سے علم و عرفان کی ضیاء پاشیوں سے بھٹکے ہوئے قافلوں کو اپنی حقیقی منزل کی راہ نظر آتی ہے۔اور علماء کرام آفتاب نبوت کی وہ روشن کرنیں ہیں جو اس بزم حیات کو منور رکھتی ہیں۔گلستان نبوت کے وہ قیمتی پھول ہیں جن کی خوشبوئیں انسانی دل روح اور دماغ کو علم و عمل تقوی اور نیکی کی مہک پہنچاتی ہیں۔جب علم و عمل کے یہ چراغ بجھ جائین گے تو اس دنیا پر جہالت کے سیاہ بادل چھا جائیں گے۔اور پھر انسانی کارواں کی لگام جہلاء کے

ہاتھوں میں ہوگی جو انسانوں کو جہالت کے تاریک کنوؤں میں پھینک دیں گے۔

ہماری ذمہ داری کیا ہے؟

تعلیم وتعلم کی فضیلت و اہمیت کو ہم جانتے ہیں، علمائے کرام تعلیم وتعلیم کی وجہ سے باعثِ شرف وفضل ہیں، وہ کسی کو دنیا کا مال نہیں دیتے بلکہ علم سکھاتے ہیں اسی لئے دین اسلام میں ان کو فوقیت حاصل ہے، ان کی زندگیاں اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ لوگوں کو راہِ حق کی جانب بلانے کے لئے ہوتی ہیں، علماء گمراہوں کو ہدایت کی جانب بلاتے ہیں، لوگوں کی جانب سے اذیتوں پر صبر کرتے ہیں، مردہ دلوں کو کتابِ الٰہی کے ذریعے زندہ کرتے ہیں، بصیرت سے اندھوں کو اللہ کے نور سے بینا کرتے ہیں، شیطان کے ہاتھوں قتل ہونے والے کتنے ہی ایسے ہیں کہ جن کو علما نے زندہ کر دیا اور کتنے ہی ہیں کہ جو گمراہی کے گڑھے میں تھے علما نے ان کو راہِ راست دکھائی۔ یاد رہے کہ جو اپنے نفس کے لئے جیتا ہے جلد مرجاتا ہے اور جو نفس کی بجائے کسی اچھے مقصد کے لئے جیتا ہے تو برسوں زندہ رہتا ہے۔ علما کا وصال فرما جانا ہمارے لئے لمحۂ فکریہ ہے، اس لئے اَشد ضرورت ہے کہ ہم علمائے کرام کی قدر وتوقیر اور علمِ دین کے حصول کی جانب متوجہ ہوں، اپنے بچوں کو حافظِ قرآن اور عالم دین بنائیں۔ علما ہی کے دَم سے علم کا وجود ہے جب اللہ پاک اس دنیا سے علما کو اُٹھالے گا تو ان کی جگہ جاہل بیٹھ جائیں گے اور دین کے حوالے سے ایسی باتیں کریں گے کہ وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔ انٹرنیٹ پر اپنی مرضی کی دینی تشریحات اور عقائدِ اہلِ سنّت کے مخالفین کی موجودگی ہمارے دور میں عام ہے۔

نیز نوجوان علما کی زیادہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے عقائد واعمال کی حفاظت، نئی نسل کی اخلاقی وعلمی تربیت کے لئے تقریر وبیان، تدریس اور تحریر جیسے اہم ترین مَحاذوں پر اپنے اَکابر کی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔ کسی عالم دین کے وصال پر یہ ذہن نہ بنالیں کہ اب امت ختم ہوگئی، نہیں نہیں بلکہ جو اہلِ علم، علمائے کرام ومفتیانِ عظام حیات ہیں ان کو غنیمت جانیں، ان کے وجود پر اللہ کا شکر ادا کریں اور ان کے دامن سے مخلص ہوکر وابستہ ہوجائیں۔

ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ ہم علمِ دین سیکھنے سکھانے کے لئے کمر کس لیں، عوام وخواص سبھی کو علمِ دین کی جانب متوجہ ہونے کی اشد ضرورت ہے، دینی طلبہ کو تو بہت ضرورت ہے کہ دین سمجھنے اور علم کی گہرائی تک جانے کے لئے خوب محنت کریں۔ طلبا کو یاد رکھنا چاہئے کہ بڑے بڑے علمائے کرام و مفتیان عظام نے یونہی مقام نہیں پایا انہوں نے اپنی زندگیاں علم دین کی طلب میں گزار دیں، علم کے لئے مال خرچ کیا جمع نہیں کیا، سفر کئے ایک ہی جگہ آرام میں نہیں رہے، صبر کیا، رضائے الٰہی پر راضی رہے، عاجزی وانکساری کو اپنایا۔

علما کی مشکلات کو سمجھنا اور حل کرنا بھی ایک شرعی فریضہ ہے

جس طرح دینی مدارس اور اداروں کو چلانا ایک بڑی ذمہ داری ہے اسی طرح دینی مدارس اور اداروں کو چلانے والے علما کی مشکلات کو سمجھنا اور حل کرنا بھی ایک شرعی فریضہ ہے۔ ہمیں یہ احساس کرنا چاہیے کہ علمائے کرام بھی ہماری طرح کے انسان ہیں، وہ بھی بیمار ہوتے ہیں، حادثات کے شکار ہوتے ہیں، انہیں بھی اپنے بچوں کے تعلیمی اخراجات پورے کرنے ہوتے ہیں، انہوں نے بھی بچوں کی شادیاں کروانی ہوتی ہیں، اُن کی یہ ساری ضروریات بھی ایک منظم سسٹم کے تحت باعزت طریقے سے پوری ہونی چاہیے۔ ہمارے معاشرے میں انسانیت اور دینداری کی جو شمع بھی ٹمٹما رہی ہے وہ علمائے کرام کی جدوجہد اور خلوص کا نتیجہ ہے۔ علمائے کرام نے اپنی زندگیاں صرف کرکے ہمیں انسان اور دیندار بنایا ہے اب یہ ہماری بھی ذمہ داری ہے کہ ہم لفظی تعزیت اور ظاہری اظہار ہمدردی کے بجائے حقیقی معنوں میں اپنی ذمہ داری ادا کرنے کی سوچیں۔ علما کرام ہمارے محسن ہیں اور سمجھدار لوگ اپنے محسنوں کو بھلایا نہیں کرتے۔ مسلمانوں کے لئے دارین کی فلاح وبہبودگی، کامیابی وکامرانی کی اگر کوئی چیز حقیقی ضامن اور اصلی ذریعہ بن سکتی ہے تو وہ صرف اسلام ہے، جو نہ صرف مسلمانوں ہی کیلئے بلکہ ان کے ذریعہ ساری انسانیت کے لئے زندگی کے ہر شعبہ میں بہترین رہبر اور مکمل دستور حیات بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور وہ حقیقی اسلام جس کی آج ساری دنیا متلاشی اور محتاج ہے، وہ اگر کہیں موجود ہے تو قرآن کریم میں، احادیث نبویہ ﷺ میں،

سرورکائنات ﷺ کی سیرت طیبہ میں، اور اصحاب کرام کی پاک زندگیوں میں، لہٰذا اشد ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان قرآن کریم کو سمجھیں، اور اس پر عمل کریں، احادیث نبویہ کا بغور مطالعہ کریں، سیرت طیبہ سے مستفیض ہوں، اور اصحاب کرامؓ کی پاک زندگیوں کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں۔علماء کرام اور فقہاء کی موت درحقیقت دنیا کے لئے بڑا نقصان ہے۔حدیث شریف سے بھی واضح ہوا کہ علماء کرام کی موت امت کے لئے گمراہی اور ضلالت کا پیش خیمہ ہے۔سیدنا حسن رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عالم کی وفات اسلام میں ایک بڑے شگاف کی مانند ہے جس کا خلا عرصہ دراز تک پر نہیں کیا جاسکتا۔حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو کھانے اور پینے سے علم کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ کھانے اور پینے کی دن میں دو یا تین بار ضرورت پیش ہوتی ہے جبکہ علم کو ہر وقت ضرورت ہے۔اسلامی معاشرے میں ایک عالم دین کی رحلت کتنا بڑا سانحہ ہوتا ہے؟ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اس پرفتن دور میں مسلمانوں کو ایک عالم دین کے سانحہ ارتحال اور اس کے نقصان کا احساس ہی نہیں ہوتا۔

میں نے اپنی زندگی میں بہت سے عظیم علماء کو دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے دیکھا اور ہر عالم کی موت کے بعد محسوس کیا کہ مدتوں تک ان کا خلاء پورا نہیں ہو سکے گا۔23 رمضان کی شب بھی اپنے ساتھ ایک المناک خبر کو لے کر آئی کہ استاذ الحدیث مولانا محمد عتیق صاحب اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے ہیں۔آپ کی عمر 66 برس تھی۔آپ چند سالوں سے عارضہ قلب کی وجہ سے علیل تھے دل 20 سے 25 صد تک کام کرتا تھا۔لیکن دوران علالت بھی آپ تعلیم وتعلم اور تبلیغ کے عمل سے وابستہ رہے آپ کو اللہ تعالی نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔آپ نیک طبع خلیق وملنسار، علم دوست، طلبہ نواز اور علماء کے قدر داں تھے، مرحوم بہت محبت کرنے والے اور دوسروں کا خیال رکھنے والے انسان تھے۔ہمیشہ خوشی، گرم جوشی اور تعلق خاطر سے ملا کرتے تھے۔ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ علم دین کی ترویج واشاعت، اقدار اسلامیہ کے فروغ اور ملک وملت کی بھلائی کے لیے صرف تھا،

اوڈھروال ضلع چکوال کی تاریخ میں شاید ہی کوئی ایسی شخصیت گزری ہو کہ جس کی وفات بلا امتیاز ہر بڑے چھوٹے مرد وعورت کے لیے بے حد سوگواری اور انتہائی صدمے کا باعث ہوئی

ہو، جس نے حیات مستعار کا راحت وسکون، آسائش وآرام امت مسلمہ کے واسطے ترک کر دیا ہو، جس کی ساری زندگی دین حق کی سربلندی اور سرفرازی کے لئے وقف ہو، جس نے عملی طور پر ساری زندگی دارالعلوم تدریس القرآن کی چار دیواری میں گزاری ہو، وہ زندہ ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت ،رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور خلق خدا کی خدمت میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ وہ زندہ ہوتے ہیں جن کے باہر کا انسان تو نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے مگر اندر کا انسان ہر شخص کے قریب رگِ جاں ہو جاتا ہے، خودنگری، خودگری وخودگیری سے دوام پا کر موت کی گرفت سے بالا بلند ہو جاتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

جنازے میں ہزار ہا انسانوں کی شرکت دیکھ کر دل کو شرح صدر حاصل ہوا کہ دنیاداروں اور مادہ پرستوں کے جنازوں میں لوگ مادی اغراض اور مفادات کے لیے آتے ہیں لیکن اہل دین کے سفر آخرت میں شمولیت کے لیے لوگ بغیر کسی غرض سے صرف محبت اور عقیدت کی وجہ سے کشاں کشاں چلے آتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ مریم کی آیت نمبر 96 میں اس امر کا اعلان فرمادیا بے شک جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے عنقریب رحمن ان کے لیے محبت (کو پیدا) کر دے گا۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ ہمارے جنازے ہماری حقانیت کا فیصلہ کریں گے۔'' جنازے میں ملک بھر سے صرف عوام ہی کی کثیر تعداد شریک نہ تھی بلکہ حدیث کو پڑھنے اور پڑھانے والے اساتذہ کی ایک بڑی تعداد شامل تھی۔ جنازے میں شریک متعدد علماء نے مجھے امام احمد بن حنبلؒ کا قول یاد دلایا اور کہا کہ یہ جنازہ دیکھ لیں، جنازہ جس نے امام احمد بن حنبلؒ کے اس قول کو سچا ثابت کیا کہ ہمارے جنازے ہماری حقانیت کا فیصلہ کریں گے۔ ملک کے طول وعرض سے اکابر علماء کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ جنازے کی امامت میرے استادِ محترم معروف عالم دین مولانا محمد شفیق صاحب دامت برکاتہم نے کروائی، جو آپ کے بڑے بھائی بھی ہیں، نماز جنازہ اوڈھروال کی مرکزی جنازہ گاہ میں ادا کی گئی۔ تدفین دارالعلوم زکریا ڈھکو کے احاطہ میں عمل میں لائی گئی جنازے کے دوران ہر آنکھ اشکبار تھی اور ہر شریک جنازہ خلوص دل سے مولانا کی

درجات کی بلندی کے لیے دعا گو تھا۔لیکن اس قسم کے اکابر علماء کا خلاء قیامت کی دیواروں تک پُر نہیں ہوسکتا۔ان کی یادوں کی خوشبو سے دل کا گلستان ہمیشہ مہکتا رہے گا۔ان شاء اللہ۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے اور جنت الفردوس میں انہیں بلند مقام عطا فرمائے،انکے پسماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل مرحمت فرمائے انکے اخلاف و ابنا کو انکے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے،انکے شاگردان اور وابستگان کو انکا مشن جاری رکھنے کی سعادت نصیب فرمائے،ان کے جانشینوں کو جانشینی کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے،اور مجھ سمیت حضرت کے تمام عقیدت مندوں کو صبر جمیل کے ساتھ ساتھ صحیح معنوں میں متبع سنت بنائے،اور زندگی بھر قرآن اور سنت کے احکامات کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے اہلِ خانہ کو بھی صبرِ جمیل عطا فرمائے اور اُمت کو ان صالحین کا نعم البدل عطا فرمائے،اور ہم سب کو اپنے اکابرین کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین یارب العٰلمین

UMAR SHAHEED LIBRARY
MOHRA KOR CHISHAM

UMAR SHAHEED LIBRARY
MOHRA KOR CHISHAM

UMAR SHAHEED LIBRARY
MOHRA KOR CHISHAM

ہماری دیگر مطبوعات

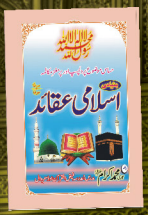

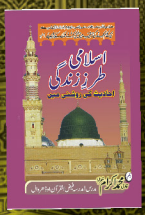

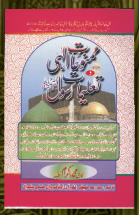

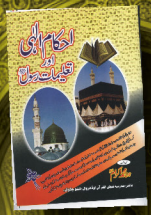

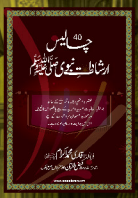

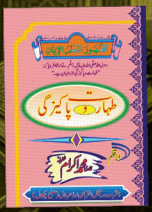

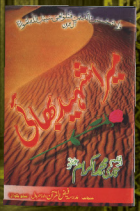

www.umarlibrary.org